Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 38, Sr.No.107, 2017 pp 93 - 100

مجلہ تحقیق
مجلہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۸، اپریل۔جون ۲۰۱۷ء، شمارہ ۱۰۷

عروض: ایک طبعی نظام الاوزان شعر

حصہ اول: احتیاجِ علم عروض

عبدالشکور شاکر☆

Abstract:

Verse is based on meter system. Verse is unviable bereft of meter. Prosody is a formal meter to judge any verse. It is as much essential for poetry as is style and diction for poetic imagination or musical instruments for singing. Knowledge of rules of prosody is inevitable for poets, editors, researchers, critics, teachers and readers alike. This article sheds light on natural meter system besides highlighting its requirement and importance.

''موسیقی، شعر اور عروض: یہ ہر سہ فن باہم لازم وملزوم ہیں کیونکہ شعر بغیر عروض کے موزون و متناسب نہیں ہوسکتا اور موسیقی کلام موزوں پر مبنی ہے جو شعر ہی کی صورت میں متصور ہے۔'' (العروض والقوافی: ص ۲۶)

دُنیا میں بیشتر اقوام کا اپنا وطن، اپنی تہذیب اور اپنی زبان ہے اور ہر زبان کا اپنا ادب ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ہر اچھا ادب، اپنی قوم کے افکار و خیالات، احساسات و جذبات، فلسفہ حیات اور اعلیٰ تہذیبی روایات کا ترجمان ہوتا ہے اور اس ادب کا ایک حصہ شاعری پر مشتمل ہوتا ہے جو ایک خاص نظام الوزن اور مسلمہ اصول و قواعد پر تخلیق پذیر ہوتا ہے۔ اُنھیں اصولوں کی کسوٹی پر اس شعری ادب کی صحت و سقم کو جانچا جاتا ہے۔ یہی پیمانے نظم و نثر میں امتیاز کرتے اور اشعار کی موزونی و ناموزونی میں فرق ظاہر کرتے ہیں۔ تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑی اور غالب زبانوں کے ادب میں کوئی نہ کوئی نظام الوزن کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا ہے۔

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج، گوجرانوالہ

چار نظام ہائے اوزان زیادہ مشہور اور مقبول ہوئے ہیں اور آج بھی وہ شعری ادب میں مستعمل ہیں مثلاً ہندی کا نظام اوزان پنگل ہے جو نہ صرف ہندی بلکہ پنجابی، سرائیکی، سندھی، گجراتی، مراٹھی اور دیگر زبانوں کی شاعری میں آج بھی رائج ہے۔عربی کا نظام اوزان عروض کہلاتا ہے جو نہ صرف عربی بلکہ جزوی تصرفات کے ساتھ ترکی و فارسی، مصری، اُردو، سندھی، پشتو، پنجابی، براہوی، بلوچی، ہندی اور دیگر زبانوں کا میزان الشعر ہے۔سنسکرت کا نظام الوزن چھند شاستر کہلاتا تھا جبکہ انگریزی کا نظام الاوزان پرازوڈی (PROSODY) کہلاتا ہے جو انگلش کے ساتھ ساتھ متعدد مغربی زبانوں کی شاعری میں صدیوں سے رائج چلا آتا ہے۔

جس طرح مکان کی موزوں تعمیر کے لیے اس کا جامع نقشہ اور گلشن کی داغ بیل ڈالنے کے لیے اس کے ڈیزائن کی ضرورت ہوتی ہے؛ اسی طرح شعر کے لیے اس کے نظام الوزن کی ضرورت ہوتی ہے۔یہ وہ فریم ہے، جس میں انسانی خیالات وجذبات کو موزوں الفاظ کی صورت میں منضبط کیا جاتا ہے۔

اس میں کچھ کلام نہیں کہ فن شعر کی عمارت، عروضی نظام پر استوار ہے۔اس کے بغیر فن شعر کا وجود بے معنی ہے۔مزید برآں جو بھی زُبانیں عروضی نظام سے ہم آہنگ ہیں ان کے لیے عروضیوں کی زبان میں علم عروض مقیاس الاشعار ہے، اس کی ہر بحر معیار الشعر ہے جو وزن شعر کی پیمائش کا ایک قانونی آلہ ہے۔عروض شاعری کے لیے اتنا ہی ناگزیر متصور ہوتا ہے جتنا کہ شاعرانہ تخیل کے لیے الفاظ اور بندش الفاظ؛ یا جتنا کہ نغمہ سرائی کے لیے نغمہ کی طرز (دُھن) اور آلات موسیقی وغیرہ۔جس طرح گائیگی کے لیے سازوں کا ہونا ضروری ہے؛ اسی طرح کلام موزوں کے لیے منضبط سانچے اور پیمانے کا ہونا لازم ہے اور وہ عروض ہے، جس کا جاننا شاعر کے لیے بھی ضروری ہے اور سخن فہم قاری اور نقاد کے لیے بھی اہم ہے۔

ہر چند کہ عروض کی تشکیل سے قبل بھی عرب میں شاعری ہوتی تھی، قصاید بھی تصنیف ہوتے تھے جو ایک نہایت مشکل اور منفرد صنف سخن ہے اور خاص نظام ہیئت سے ممتاز ہے؛ سرداروں کی وفات پر کلام موزوں کیا جاتا تھا اور لڑکوں کی پیدائش پر بھی شعر خوانی ہوتی تھی؛ گھڑ دوڑ یا شمشیر زنی کے مقابلوں میں بھی مفاخرانہ نغمہ سرائی ہوتی تھی اور میدان جنگ میں بھی جوانوں کا حوصلہ بڑھانے اور جوش دلانے کے لیے عموماً رجز خوانی ہوتی تھی؛ لیکن وہ تمام کلام باقاعدہ نظام الاوزان کا پابند نہ تھا۔جاہلی شعراء اور مابعد شعرا جو کچھ بھی تصنیف کرتے تھے، اس کی اساس ان کی موزونی طبع اور خوش سلیقگی تھی جو ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی جیسا

کہ نجم الغنی نے بحر الفصاحت میں بیان کیا ہے:

''فن عروض کی ایجاد سے پہلے بھی شعر وزن دار ہوتے تھے ان کے وزن کا معیار وجدان سلیم اور ذوق طبع مستقیم تھا۔ انہی اوزان کو جانچ کر وزن کے قواعد مقرر ہوئے الخ''(۱)

مزید برآں اُن کے لیے اگر کوئی قابل تقلید معقول نمونہ یا موزوں سانچہ تھا تو وہ ان کی موسیقی کے زمزمے تھے یا رجز و ہزج کے آہنگ تھے، جبکہ بنیادی چیز ذوق صحیح اور وجدان سلیم ہی تھا۔ اس ضمن میں استناد کے طور پر اصغر علی رُوحی مرحوم کا نقطۂ نظر بے موقع نہیں کہ:۔

''اہل عرب زمانہ جاہلیت اور ایک صدی ظہور اسلام کے بعد محض سلامت ذوق صحیح پر وزن شعر کا صحیح یا غلط ہونا قیاس کرتے تھے۔ اس وقت تک عربی زبان میں عجمیت نے کچھ تصرف نہ کیا تھا۔ اس لیے وہ اپنے طبعی مذاق پر کہتے اور صحیح کہتے۔ پہلی صدی کے گزرنے پر جب اہل عرب کا میل جول عجمیوں سے بڑھتا چلا گیا تو ان کی خالص عربیت میں کچھ فرق آنے لگا۔ خُدا کی شان کہ عین موقع پر یعنی پہلی صدی کے ختم ہوتے ہی خلیل بن احمد نے جنم لیا اور علم عروض کی بنا ڈالی، جو علم ادب کا ایک اہم جُزو ہے....(۲)

محولہ بالا اقتباسات میں پہلا اقتباس اگرچہ فارسی مصنفین و ناقدین کی اتباع میں، درست ہے اور دوسرے اقتباس کا پہلا حصہ بھی اسی مضمون کا عکس ہے تاہم دوسرے حصے میں جو تصریحات ہیں، انھیں پہلے حصے سے منسلک کر کے جانچنا ضروری ہے۔ ہر چند کہ عروضی نظام کے انضباط کی توجیہ بادی النظر میں سیاق وسباق کے مطابق، صحیح مفہوم ہوتی ہے، تاہم جب اس کا بغور مطالعہ کریں تو اس سے متعدد سوالات سرگوشیاں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جیسے کہ:

- سلامت ذوق صحیح اور طبعی مذاق (جسے نجم الغنی نے وجدان سلیم اور ذوق طبع مستقیم لکھا ہے) کیا ہے؟ اور ان کے تشکیلی و ترکیبی عناصر کیا ہیں؟ اور کیا یہ دونوں ایک ہی صفت کے دو عنوان ہیں یا فی نفسہٖ متعدد صفات ہیں۔
- خالص عربیت سے کیا مُراد ہے اور عجمیت کیا چیز ہے؟
- عرب کا عجم سے میل جول دوسری صدی کے وسط ہی میں بڑھا (جب کتاب العروض مرتب ہو کر سامنے آئی) یا قبل ازیں عرب و عجم میں حائل خلیج ختم اور معاشی و معاشرتی روابط پیدا ہو چکے تھے؟
- اہل عرب اور اہل عجم کے میل جول اور اس کے اثرات کی نوعیت کیا تھی؟

- اہل عرب اور اہل عجم کی تہذیب و ثقافت کے (جو ایک دوسرے سے جُدا جدا تھی) اہم اہم خدوخال کیا تھے؟
- آفتاب اسلام کے طلوع ہونے اور اس کے نصف النہار پر آجانے کے وقت عجمیت نے عربی زبان وادب میں کیا کیا تصرفات واقع کیے؟ ان کی نوعیت وخصوصیت نیز حدود کیا تھیں؟
- اہل عرب، اس وقت فاتح و غالب قوم تھے یا مفتوح ومغلوب؟ نیز کیا مفتوح قوم کا ادب فاتح قوم سے اثر پذیر ہوتا ہے یا فاتح کا لٹریچر مفتوح قوم کے زبان وادب سے اثرات قبول کرتا ہے؟
- وضع عروض سے قبل کا عربوں کا شعر گوئی کا سانچہ ہر نوع کی خامیوں سے مُبرّا تھا یا اپنے گوناگوں نقائص اور قدامت کے سبب زاید المیعاد ہو چکا تھا؟
- بنا بریں عربوں کو قدیمی سانچے کی جگہ کوئی نیا نظام الوزن درکار تھا جو مقتضائے حال کے مطابق ہو؟
- آیا عرب زبان وادب کے معاملے میں کچھ زیادہ ہی حساس تھے یا غیر قوموں کے طرز احساس کے مالک تھے؟
- آیا خلیل بن احمد ہی کو ایک سائنسی نظام الاوزان کی تقویم کی ضرورت محسوس ہوئی یا اس کے ماقبل دور میں بھی کسی شاعر یا تخلیق کار کو یہ احتیاج محسوس ہوئی تھی؟
- مذکورہ نکات کے ساتھ ساتھ یہ سوال بھی جنم لیتا ہے کہ آیا علم عروض کی تقویم کے محرک خارجی اسباب ہی تھے یا کوئی داخلی محرک بھی تھا اور کیا وجدان سلیم اور ذوق صحیح کے حامل عرب شعرا کو فن عروض کو دستور العمل اور میزان الشعر بنانے کی عملی ضرورت تھی یا نہ تھی؟

یہ جُملہ سوالات اپنی جگہ بہت اہم اور ضروی ہیں لیکن ان کا جواب بحر الفصاحت میں ملتا ہے نہ العروض والقوافی میں.....

مطالعہ عروض کی ضرورت وافادیت

''اَلعروض آلہ قانُونیة یُتعرف منها صحیحُ اوزان الشعر و فاسدُ ھا''

(العیون الغامزة علےٰ خبا یا الرامزة:ص۱۰)

کسی بھی علم یا فن سے متعارف ہونے کے لیے اس کی مبادیات کا مطالعہ ضروری معلوم ہوتا ہے؛ بعینہٖ عروض کا مطالعہ بھی اپنی جگہ ناگزیر ہے۔

عربی میں مشہور ہے:

"هُوَ میزان الشعر به یعرف مکسورة من موزونه کما ان النحو معیارالکلام به یعرف معربه من منونة۔"

روحی مرحوم نے اوزان کی اہمیت اور قواعد عروض کی افادیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے:

''شعر کا حصہ تخیل فن منطق سے تعلق رکھتا ہے؛ وزن کی ماہیت اور نغموں میں اس کے طریق استعمال کی کیفیت علم موسیقی سے تعلق رکھتی ہے اور جب وزن کا استعمال اشعار میں کیا جاتا ہے تو اس کی صحت اور عدم صحت کا موازنہ قواعد علم عروض سے کیا جاتا ہے۔''(۳)

فاضل مصنف ایک ادیب کے لیے عروض کو ناگزیر قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''کوئی شخص عربی یا فارسی زبان کا ادیب نہیں کہلاسکتا جب تک ان زبانوں کے حصہ منظومات کا وسیع مطالعہ نہ کرے۔ اس صورت میں اس کا علم عروض سے باخبر ہونا ایک اہم امر ہے اور کوئی شخص اس کی ضرورت سے انکار نہیں کرسکتا۔ اگر کسی شخص کا یہ خیال ہو کہ ذوق صحیح اور استقامت طبع حاصل ہونے کی صورت میں اس علم کے حاصل کرنے کی ضرورت نہیں....تو ممکن ہے کہ یہ خیال کسی صورت میں صحیح ہو مگر عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ شعر کی تصحیح وزن کے لیے اس علم کا جاننا ضروری ہے، صرف ذوق طبعی اس امر کے لیے کافی نہیں بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے وہ ان بحروں کے ارکان میں جو باہم ملتے جلتے ہوں اور کچھ متشابہ اور متماثل واقع ہوئے ہوں، امتیاز نہیں کرسکتا اور اسے عروض وضرب میں تغیرات رکن کے جواز وعدم جواز کا پتہ نہیں ہوتا.....اہل عجم کے لیے اس فن کا حاصل کرنا اوزان نظم جاننے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ جس طرح صرف ونحو حاصل کیے بغیر کوئی کسی زبان کی صحیح واقفیت حاصل نہیں کرسکتا؛ اسی طرح علم عروض حاصل کیے بغیر کوئی شخص کسی زبان کی نظم کے صحیح الوزن ہونے کا اندازہ نہیں لگا سکتا.....''(۴)

کوئی شاعر ہو یا کوئی مرتب ومدون؛ کوئی محقق ہو یا کوئی نقاد؛ کوئی معلم ہو یا کوئی باذوق قاری، اس کے لیے علم عروض اور اس کے اصول وقواعد کا جاننا بنیادی ضرورت کا حامل ہے۔

عروض اگرچہ ایک دقت طلب ریاضیاتی علم ہے لیکن شاعری کے لیے امر لازم ہے۔ فن ادب کا

شعبہ تحقیق وتنقید ہو یا شعبہ ترتیب وتدوین؛ سخن گوئی کا معاملہ ہو یا سخن فہمی کا؛ مطالعہ عروض اپنی جگہ بہت مفید اور وقیع ہے۔

- ایک محقق ومدون کو تدوین متن کے لیے عروض کی مبادیات کا علم ہونا چاہیے۔ اسے ان جملہ امور سے واقفیت ہونی چاہیے جو عروض سے متعلق ہوں اور ترتیب متن میں کام آئیں۔ جیسا کہ پروفیسر نذیر احمد رقمطراز ہیں:

''شعری متن کی تحقیق میں عروض وقافیہ کے مسائل سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔(ایک محقق کو) اوزان، بحور اور زحافات کو اچھی طرح جاننا چاہیے''(۵)

جناب عبدالرزاق قریشی نے "مبادیات تحقیق میں ایک محقق کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے اور پروفیسر نذیر احمد ہی کے نقطہ نظر کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے:

''شعری مخطوطہ کی تحقیق وتصحیح کے لیے محقق کا فن شاعری اور عروض سے پورے طور پر واقف ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ قدیم متنوں کی تصحیح خاطر خواہ نہیں کر سکتا۔''(۶)

- بعض مزاحف بحور کے استعمال میں کسی بیت کے عروض وضرب کے زحافات جو کسی شاعر کو رعایت دیتے ہیں، وہ اسی صورت میں ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اگر وہ ان سے باخبر ہے۔
- عروض کا علم ہونے کی بدولت شاعر، شعر کو ارکان بحور کے عین مطابق ترتیب دیتا اور وقوع پذیر زحافات کے موافق اپنے خیالات کو مقررہ سانچے میں منضبط کرتا ہے۔ نیز وہ جس بحر میں لکھتا ہے، اسی کے دائرے میں رہتا ہے۔ وہ ایک وزن سے دوسرے وزن کی طرف منتقل ہوتا ہے نہ شعر کو خارج از وزن ہونے دیتا ہے۔
- اگر شاعر علم اوزان سے آگاہ ہو تو وہ اپنے موضوع سخن کے مطابق وزن کا انتخاب کرتا ہے جو اس کے شعر کو زیادہ لطیف و بامزہ بناتا اور خیالات کی ترسیل میں زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے۔
- اس علم کی بدولت طبعی وغیر طبعی اوزان میں امتیاز حاصل ہوتا ہے مزید برآں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کون کونسے اوزان تیز گام ہیں اور کون کونسے سبک خرام۔
- قاری کے لیے مطالعہ عروض کی ضرورت واہمیت یہ ہے کہ اس کی روشنی میں وہ اشعار کا موزوں پیرایے میں مطالعہ کر سکتا ہے۔ جبکہ اگر وہ اس سے لاعلم ہوگا تو وہ موزوں لہجے میں قراءت سے

قاصر رہے گا۔

- علم عروض کی بدولت قاری کو غیر مانوس اور قلیل الاستعمال الفاظ کے صحیح تلفظ کا ادراک ہوتا ہے۔
- عروض سے عدم واقفیت کے سبب قاری کسی مقررہ وزن میں موزوں اشعار کو کسی دوسرے وزن سے ملا دیتا ہے۔
- مشکل وثقیل اوزان کی صحیح قراءت عروض سے واقفیت اور موزونیِ طبع کی بدولت ہی ممکن ہوتی ہے؛ اوزانِ رباعی سے اسی علم کے توسط سے آگہی ہوتی ہے۔ بصورت دیگر، اوزان طویل وثقیل ہوں یا اوزان متناوب یا مشکل ترین صنف رباعی کے اوزان؛ قاری ان سے نابلد اور موزوں قراءت سے عاجز رہتا ہے۔
- عروض کی بدولت قاری ان تصرفات شعر سے آگاہ ہوتا ہے، جن سے واقفیت حاصل کیے بغیر شعر خوانی صحت کے ساتھ مشکل ہوتی ہے۔
- عروض کا علم حاصل ہونے کی بدولت قاری اشعار کی تقطیع ہی کر سکتا ہے اور نہ باضابطہ عروضی تجزیہ ہی کر پاتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ عروض ایک مفید علم ہے۔ شعبہ ادب سے متعلق کوئی بھی شخص ہو؛ محقق ہو یا نقاد؛ شاعر ہو یا مدون؛ استاد ہو یا شاگرد، علم عروض اور اس کے قواعد کا جاننا، اس کے لیے بہت ضروری ہے۔ بخلاف ازیں کوئی شاعر ہی محض موزونیِ طبع اور ذوقِ طبعِ مستقیم کی بدولت، ایک عظیم و مسلّم الثبوت شاعر قرار پا سکتا ہے نہ کوئی محقق و نقاد ہی پایہءِ استناد کو پہنچ سکتا ہے۔

☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ نجم الغنی رامپوری، بحر الفصاحت، حصہ اول، ص ۱۳۷
۲۔ روحی، اصغر علی، پروفیسر، العروض والقوافی، ص ۲۷
۳۔ ایضاً، ص: ۲۵۔
۴۔ ایضاً ص ۲۹ تا ۳۱
۵۔ نذیر احمد، پروفیسر، تصحیح و تحقیق متن، کراچی: ادارہ یادگار غالب، ۲۰۰۰، ص ۲۸
۶۔ عبدالرزاق قریشی، مبادیات تحقیق، لاہور: خان بک کمپنی، ص ۹۷